© rasailojaraid.com

دلایا گیا ہے۔ آیت ۴۱ میں اس چیز پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے جسے خدائے عزوجل نے ''أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ'' کہا ہے۔ آیت نمبر ۴۲ میں کتمان حق سے منع کیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۴۳ میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور پھر آیت نمبر ۴۶ میں ''أَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ '' کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔ میاں صاحب! بنی اسرائیل کو یہاں آیت ۴۰ تا ۴۶ میں براہ راست جو کچھ کہا جا رہا ہے، کیا یہی باتیں ان متقین کی صفات نہیں ہیں جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ کے بالکل ابتدائی آیات میں ہوا ہے: ''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ٥ والَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُون''۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ان صفات کی حامل متقی شخصیت یہی ملکوتی رویہ اپنائے گی اور حق کے سامنے سرنگوں (Surrender) ہوگی۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا، قرآنی علمیات کے رہنمایانہ منہاج میں آپ سے لغزش ہوئی ہے۔ رہنمایانہ منہاج کے لیے آپ نے حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے واقعے سے متعلق آیات کا انتخاب کیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

''وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُون''

یہاں ایمان بالغیب کی تعبیر امکانات کو چھونے کی خواہش اور سکت کے نظریے سے Pre-Minded ہوتے ہوئے آپ نے لکھا ہے: ''خلیفہ کے بارے میں فرشتوں کی یہ جانکاری کی وہ زمین میں فساد اور خونریزی برپا کرے گا، خدا ہی کی عطا کردہ تھی۔'' (ایضاً ص ۲۱) اور اس کے لیے آپ نے آیت نمبر ۳۲ کے الفاظ ''لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا '' سے استدلال کیا ہے۔ اگر آیت نمبر ۳۰ میں ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ '' کے الفاظ نہ ہوتے تو آپ کا مذکورہ استدلال درست ہوتا۔ اس آیت سے صریحاً واضح ہے کہ فرشتوں نے لفظ ''خلیفہ'' کی بنا پر ایک امکانی بات کی جو ادھورے سچ کے مترادف تھی، یعنی وہ انسانی تخلیق کی مکمل اسکیم سے واقف نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ نے فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو پھر ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ '' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ شاید آپ اس کا جواب یہ دیں کہ انہیں انسان کے اسی خاص پہلو کے متعلق بتایا گیا تھا۔ میری گزارش ہوگی کہ اس مفروضے کی بنیاد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ ان کے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا تھا کہ آدھی بات بتا دی اور آدھی رہنے دی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر انسان کے خلیفہ بنائے جانے سے آگاہ کیا۔ 'خلیفہ' (یعنی صاحب اختیار) کے لفظ سے فرشتوں نے ایک امکانی بات اخذ کی جو معاملے کے سارے پہلوؤں کو محیط نہ تھی، یعنی یہ کہ یہ صاحب اختیار مخلوق زمین میں فساد برپا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے فرشتوں کے نہ جاننے کو جاننے میں تبدیل کرنے کے لیے پہلے حضرت آدمؑ کو ان کی ''صالح ذریت'' کی فہرست دکھائی (یا ان نیک بندوں کی صورتیں دکھائیں) پھر ان نیک بندوں کی بابت فرشتوں سے دریافت کیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان لوگوں کے متعلق، جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں گے، تمھاری کیا رائے ہے؟ فرشتوں نے اللہ کی مکمل سکیم کی نوعیت کو سمجھنے سے معذوری ظاہر کی اور شک کرنے سے گریز کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کہا کہ اے خدا! جس امکانی بات کا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اسے کل سمجھتے ہوئے ہم نے ٹھوکر کھائی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امکانی بات کرنا بذات خود غلط نہیں، بلکہ اچھی چیز ہے لیکن مزید امکانات کا اندازہ کرنے کے بعد صرف اپنے ''امکانی علم'' پر ہٹ دھرمی اختیار کرنا اور اس پر اڑے رہنا غیر مستحسن رویہ ہے۔ اب اللہ نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ ان لوگوں سے فرشتوں کا تعارف کرادیں۔ اس کے بعد اللہ نے کہا کہ اب کہو، کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ غیب کا علم میرے پاس ہے، اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۲:۳۳)

میاں صاحب! ''وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ'' کے بارے میں آپ کی رائے بہت صائب ہے یعنی یہ کہ ''اس وقت تک ابلیس نے اپنے انکار اور گھمنڈ کو چھپایا ہوا تھا''، لیکن اس آیت مبارکہ میں ''الاسماء'' سے علوم وفنون مراد لینا، جو قتل وخونریزی کو مغلوب کرنے والے ہوں گے، میرے خیال میں قرآن پاک کے Context کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ''الأَسْمَاءَ كُلَّهَا'' سے علوم وفنون مراد لینے کی کیا دلیل ہے؟ ان علوم وفنون کو ان امکانات تک پھیلانا جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ فساد اور خونریزی کی نئی نئی صورتوں کے ظہور کے جواب میں مسیحائی کردار ادا کریں گے، ایک پرتکلف بات لگتی ہے۔ اگر آپ ''اسماء'' کے لیے استعمال کی جانے والی ضمائر پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ اس سے مراد ذریت آدم ہی کے نام ہو سکتے ہیں۔

قرآنی علمیات سے روگردانی کے ضمن میں حضرت ابراہیمؑ اور قربانی کے واقعے کی بحث کافی فکر انگیز ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ذبیح اسماعیلؑ تھے یا اسحٰقؑ، آپ نے ''باپ کے فیضان نظر'' کا بہت پرحکمت مقام دریافت کیا ہے جس کا تعلق علم سے زیادہ متقین کے رویہ سے ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے دلائل کافی مضبوط اور دعوتی مزاج کے حامل ہیں۔ ابن ابراہیمؑ کے بجائے ابراہیمؑ ہی کی شخصیت کو نمایاں کرنا یہاں قرآن پاک کا مطمح نظر دکھائی دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آپ ''مدبرین'' کی تحقیق وتفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے دعوتی مزاج کی بلندی کو برقرار نہ رکھ سکے۔ 'ذبیح کون' کی بحث کو امکانی فساد سے تعبیر کرنا میرے خیال میں ضرورت سے زیادہ سخت تبصرہ ہے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ نے فراہی مکتب فکر کو نسلی تفاخر جیسی بیماری میں مبتلا بتایا ہے جبکہ یار لوگ انھیں ''اغیار دوستی'' کا طعنہ دیتے ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اللہ ہمیں پندار کا صنم کدہ ویراں کرنے اور حق کے کوئے ملامت کا طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا خیر اندیش
یوسف خان جذاب
GHS، نار شکر اللہ، بنوں

(۲)

بخدمت گرامی قدر مخدومی حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الشریعہ جنوری ۲۰۰۶ء کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ ''آرا و افکار'' کے تحت محترم میاں انعام الرحمٰن صاحب کا مضمون پڑھا، بہت کوفت ہوئی۔ ابتدائی پانچ چھ صفحات لکھنے کے بعد میاں صاحب پٹڑی سے اتر گئے ہیں اور سارا زور قلم اس پر صرف کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح قرار دینا قرآنی علمیات سے روگردانی ہے۔ انہوں نے سطحی قسم کی باتیں تحریر کر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ ماننے سے انکار کیا ہے۔ مزید فرمایا ہے کہ حضرت اسماعیل کو ذبیح ماننے سے معترضین کو پھبتی کسنے کا موقع ملتا ہے کہ اسلام دعویٰ تو عالمگیریت کا کرتا ہے، لیکن اصلاً اسماعیلی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دینا یہودیانہ رویہ ہے۔

مخدومی! یہ سمجھ نہیں آئی کہ میاں صاحب کو حضرت اسماعیل کو ذبیح اللہ قرار دینے پر اعتراض کیا ہے؟ اس سے دین اسلام کے وقار پر کیا حرف آتا ہے؟ اگر اقبال نے یہ کہہ دیا ''سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی'' تو کس جرم کا ارتکاب کیا ہے؟

محترم میاں صاحب کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ مولانا فراہیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ سمیت اکثر مفسرین نے ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی کو قرار دیا ہے اور اس پر آثار وقرائن بھی ذکر کیے ہیں۔ وہ دور نہ جائیں، معارف القرآن ہی دیکھ لیں۔ آثار وقرائن حضرت اسماعیل ہی کو متعین کرتے ہیں اور اس سے اسلام کی عالمگیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ معترضین سے مرعوب ہو کر اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے سے انکار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ پر کسی یہودی نے اعتراض کیا کہ سنا ہے تمھیں تمھارا پیغمبر ﷺ استنجا کرنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فخریہ طور پر کہا کہ ہاں، ہمیں انہوں نے استنجا کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ (جامع ترمذی) میاں صاحب سے معذرت کے ساتھ، اگر ان جیسا کوئی مرعوبیت کا شکار شخص ہوتا تو یہی کہتا کہ نہیں نہیں، خدا کی قسم! حضور ﷺ نے ہمیں کوئی ایسی بات ارشاد نہیں فرمائی۔ محترم میاں صاحب سے گزارش ہے کہ مستشرقین و دیگر کفار کے اعتراضات کے جواب میں گھبرا کر اپنا اصل موقف چھوڑ دینا اور یہود ونصاریٰ سے موافقت کے راستے تلاش کرنا دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔

میاں صاحب نے ''حرف آخر'' کے زیر عنوان ایک حدیث نقل کی ہے: ''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب''۔ میرا ان سے سوال ہے کہ کیا حضور ﷺ کا یہ فرمان مطلق ہے یا اس میں کوئی قید بھی ہے؟ مفسرین اور محدثین کیا فرماتے ہیں؟ اگر وہ اس سوال کا جواب تلاش کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے موقف پر نظر ثانی پر مجبور ہو جائیں گے۔

میاں صاحب سے یہ بھی التماس ہے کہ آج کے دور میں فکری انتشار بہت زیادہ ہے، ایسے میں مزید انتشار پیدا کرنا، خواہ وہ کتنی ہی نیک نیتی سے کیوں نہ ہو، دین کی کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس سے احتراز فرمائیں۔ اور بے شک کم لکھیں، لیکن علمی پختگی کے ساتھ لکھیں۔ اپنے فکری انتشار پر پختہ فکر علما سے گفتگو کریں۔

مخدومی! آپ سے بھی گزارش ہے کہ آرا و افکار کے زیر عنوان فکری انتشار میں اضافہ کرنے والے مضامین شائع نہ کریں۔ حدود وقیود متعین فرمائیں۔ آپ کا یہ طرز فکر ''جماعت کو لازم پکڑو'' (الحدیث) کے منشا کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میاں صاحب کو کوئی بات ناگوار گزرے تو معذرت خواہ ہوں۔

(مولانا) مشتاق احمد

استاذ جامعہ عربیہ، چنیوٹ

(۳)

گرامی قدر نقوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ میں تکفیر شیعہ پر جو بحث چل رہا ہے، اس میں میرے موقف پر آپ کا تبصرہ بصورت خط شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ:

۱۔ لاہور میں علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر صاحب (ادارہ منہاج الحسین) سے میرا رابطہ تھا۔ ''الشریعہ'' میں مذکورہ مضمون لکھنے سے پیشتر میں کئی ماہ تک ان کو خط لکھتا اور فون کرتا رہا کہ جن تین امور کی وجہ سے مولانا سرفراز صفدر صاحب اور دیگر بعض سنی علما اہل تشیع کی تکفیر کرتے ہیں، اگر وہ وضاحت کر دیں کہ یہ سارے شیعہ کے اجتماعی مسائل نہیں ہیں تو میرا موقف مضبوط ہو جاتا کہ سارے اہل تشیع کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، لیکن علامہ صاحب ٹالتے رہے اور انہوں نے جواب نہیں دیا اور بالآخر میں نے اس کے بغیر ہی مضمون ''الشریعہ'' کو بھجوا دیا۔ میری اب بھی یہ خواہش ہے کہ آپ اہل تشیع کا کوئی ذمہ دار عالم اس بات کی تصدیق کر دے تا کہ میرا کیس مضبوط ہو جائے۔ (یاد رہے کہ میرا یہ مضمون تھا اس مضمون پر جو اس سے پہلے شمارے میں مولانا زاہد الراشدی صاحب نے لکھا تھا اور جس میں مذکورہ تین نکات کا ذکر تھا)۔

۲۔ اگر آپ یہ کنفرم کر دیں کہ آپ کی جماعت کے پیش نظر پاکستان میں فقہ جعفریہ کا نفاذ نہیں تھا اور نہیں ہے بلکہ آپ اہل تشیع کے دیگر جائز قانونی حقوق کے لیے کوشاں تھے اور ہیں تو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس موقف کو آپ کے سر منڈھوں جو درحقیقت آپ کا موقف نہیں ہے اور بقول آپ کے ایجنسیوں کا موقف ہے؟

۳۔ میں ایک سیدھا سادہ کھلے دل کا مسلمان ہوں اور کسی خاص مسلک سے وابستہ نہیں ہوں، بس طبیعت صلح جو ہے، اتحاد امت کا درد دل میں ہے کہ شیعہ سنی منافرت کم ہو جائے اور امت ایک دوسرے کے قریب آ جائے۔

والسلام۔ مخلص

(ڈاکٹر) محمد امین

سینئر ایڈیٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ

جامعہ پنجاب۔ لاہور

(۴)

محترم جناب ڈاکٹر امین صاحب

السلام علیکم، مزاج گرامی

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ میں آپ کے مضمون کی وضاحت میں ہمارے خط کی اشاعت کے بعد آپ کا گرامی

© rasailojaraid.com